عباس حسینیؒ

ایک ادارہ - ایک انجمن

ابن سعید

نصف صدی گذری ــــــ!

ان کا نام سُنا تھا۔ ان کی خوبصورتی اور شخصی وجاہت کے چرچے سُنے تھے، اور پھر ان تصورات کے ساتھ انہیں دیکھا تھا۔ میں اس وقت آٹھویں درجے کا طالب علم تھا اور وہ بیڈھب، اکھّڑ اور اُجڈ فوجیوں کو پڑھایا کرتے تھے! بس چند لمحے ان سے سوال وجواب میں گذرے تھے ــــ پھر چار برس گذر گئے ــــ اور ۴۷ء میں پہلی بار یہ معلوم ہوا کہ وہ ماموں زاد بھائی بھی ہیں۔ اور انہیں میری خالہ بیاہی ہیں۔

ہندوستانی مسلمانوں کے رشتے یوں بھی مشہور ہیں۔ بہت پیچیدہ ایک ایک آدمی سے کئی کئی رشتے۔ لیکن پہلے دن سے انہیں ننھے بھائی (شکیل جمالی۔ جمال رضوی۔ ابن حمید) کی تقلید میں بھیّا کہنا شروع کیا۔ اور پھر دوستوں نے، احباب نے، بزرگوں نے بھی انہیں بھیا کہنا شروع کیا ــــ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک وہ اپنے نوے فی صد واقف کاروں کے لئے "بھیّا" ہی رہے۔

وہ ایک بہت ہی معزز خاندان کے فرد تھے۔ ان کے والد سید حسین حیدر مرحوم دہلی کمپنی کے جنرل منیجر تو تھے ہی، اپنے عہد کے مقبول ناول نگاروں میں تھے۔ ان کے ناول "جذب الفت" اور "محمود کی ڈائری" بہت معروف تھے۔ بحیثیت ناول نگار ان کا تذکرہ علی عباس حسینی مرحوم نے اپنی تحقیقی تصنیف "اردو ناول کی تاریخ و تنقید" میں کیا ہے۔ وہ انگریزی میں True Romanca کے تخلیق کار بھی تھے۔ یہ سلسلہ دوسری جنگ عظیم کے آغاز سے شروع ہوا تھا۔ اور ا۔ ا۔ اے حسینی کے نام سے انڈین پرنٹنگ ورکس کی طرف سے شائع ہوتا تھا۔ حیدر صاحب مرحوم کے احباب میں ایک طرف فراق صاحب اور پروفیسر اعجاز حسین تھے تو دوسری طرف خوشتر گرامی ایڈیٹر بیسویں صدی اور حافظ محمد یوسف مرحوم ایڈیٹر شمع تھے۔

اس طرح ۱۹۴۷ء تک بھیّا کا ماحول بڑی حد تک تصنیف و تالیف اور ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کا تھا۔ ایک بار (تقسیم کے فوری بعد) بھیّا سے میں نے ان کے پسندیدہ شعر کی فرمائش کی تھی۔ انھوں نے ایک لمحہ توقف کے بعد آل رضا (مرحوم) کا یہ شعر سنایا تھا ؎

بھری بہار کے دن ہیں خیال آ ہی گیا
اُجڑ نہ جاتا تو پھولوں میں آشیاں ہوتا

یہ خیال ہوا کہ شاید کسی سبب سے یہ شعر حافظہ میں رہ گیا تھا۔ لیکن دھیرے دھیرے یہ حقیقت منکشف ہوتی گئی کہ ادب سے دلچسپی ان کے خمیر میں ہے اور شاعری سے ان کو والہانہ شغف ہے۔

وہ بہت خوب صورت آدمی تھے۔ تصویر خد و خال بتا سکتی ہے لیکن رنگ میں جو قوس و قزح ہوتی ہے اُسے تصویر کیسے بیان کر سکتی ہے۔ مسکراہٹ میں جو چراغ جل اٹھتے ہیں اسے نہ مصوّر گرفت میں لے سکتا ہے اور نہ فوٹوگرافر ـــــ ان کی شخصیت

میں جو کرشمہ تھا اس میں ان کی شخصی وجاہت کو بھی دخل تھا۔ دراز قد، بڑی شفاف آنکھیں کیفیات میں ڈوبی ہوئی، کشادہ پیشانی، شفقی رنگ اور انداز گفتگو میں ڈرامائیت ——ہر طرح کے جذبہ کا عکس چہرے اور طرز تکلم سے نمایاں —— شخصیت کا یہی جادو تھا جس نے انھیں "چھوٹے بڑے" "سب کا" "بھیّا" بنا دیا تھا۔ وامق صاحب بھی جو کم از کم ان سے بارہ برس بڑے تھے، انہیں بھیا ہی کہا کرتے تھے اور یہاں تک کہ مرحوم استاد اعجاز صاحب اور احتشام صاحب اکثر بھیّا کہا کرتے تھے۔

دنیاوی مشاغل سے ان کی وابستگی کا نقطۂ آغاز تدریس تھی وہ فوجیوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ پھر انہوں نے ریلوے میں ملازمت کی۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے موقع پر جب پڑھے لکھے مسلمان نوجوانوں کی بڑی کھیپ ہجرت اور ترک وطن کے ظلم میں گرفتار تھی، بھیّا نے طے کیا کہ انھیں ہندوستان ہی میں رہنا ہے۔ خاک وطن کے ہر ذرہ کو دیوتا قرار دیتے ہوئے انہوں نے ملازمت ترک کی اور "نکہت" کو اختیار کیا۔ جنوری ۱۹۴۸ء سے اس کی تیاری شروع ہوئی تھی۔ ہم لوگ صحافت کے اس میدان میں طباعت اور اشاعت کے پیچ و خم، نشیب و فراز سے ناواقف تھے۔ لیکن پہلا شمارہ شائع ہوتے تک بھیا اس فن کی تکنیکی باریکیوں سے باخبر ہو چکے تھے۔ کاغذ کی اقسام، کاتب کی ادائیں، پریس کے معشوقانہ وعدے۔ ڈاکخانے اور ریلوے والوں کا ستمگر رویہ —— !کوئی ایسا پہلو نہ تھا جس پر ان کی نظر نہ رہی ہو ——

اس زمانے میں انہیں شعراء سے بڑی دلچسپی تھی۔ اسی زمانے میں اسرار ؔراہی، نازش اجمل، مصطفٰے زیدی (تیغ الہ آبادی) سلام مچھلی شہری، صغیر احمد صوفی، ذاکر فتحپوری، شبنم نقوی، واقف رائے بریلوی، وامق جونپوری قریب آئے۔ چھٹی دہائی میں کرشن چندر سے قربت بڑھی یہاں تک کہ انہوں نے اپنا ناول "سونے کا سنسار" بھیّا کے نام معنون کیا تھا۔ لیکن نثر نگاروں سے زیادہ وہ شعراء کے قریب رہے۔ یہاں تک کہ بھیّا نکہت کلب

کی کانفرنسوں میں شاعروں کا پورا قافلہ ساتھ لے کر جایا کرتے تھے۔ مقامی مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ داد دینے کا ایسا انداز تھا جو کبھی کبھی "بیداد" میں بدل جاتا تھا۔ جسے عرف عام میں ہوٹنگ کہتے ہیں۔ چنانچہ سابق اسمبلی اسپیکر اور چیرمین پبلک سروس کمیشن نفیس الحسن مرحوم کی صدارت میں ایک مشاعرہ ہو رہا تھا۔ اس میں ایک "حکیم سڑک" قسم کے شاعر نے بھیا کے مزاج میں گدگدی پیدا کی۔ شاعر اس طرح پڑھ رہا تھا جیسے اکھاڑے میں پہلوان تال ٹھونک کر للکار رہا ہو۔ بھیا نے جناب صدر سے شاعری کے اس جھٹکہ پر احتجاج کیا۔ صدر نے روکا مگر شاعر کڑکتا رہا۔ انھوں نے بدیا کو اشارہ کیا اور بھیا نے بیداد یعنی نئے انداز کی ہوٹنگ شروع کر دی۔ ان کا اصرار تھا

"آپ فلٹ ہیٹ اور چھڑی ہاتھ میں لے کر نہیں پڑھ سکتے۔

"میں تو پڑھوں گا"

"آپ نہیں پڑھ سکتے"

مکالمہ جاری رہا اور مشاعرہ جو ٹھُس اور بے کیف تھا۔ قہقہہ زار بن گیا۔ شاعر جو بھبکتا ہوا آیا تھا، فلٹ سر پر رکھ کر دبکتا ہوا بھاگا۔

مگر بھیا مشاعرے کے آداب سے واقف تھے، اس کا لحاظ رکھتے تھے کہ مشاعرہ دنگل نہ بننے پائے۔ شاعر کی ناز برداری بھی کرتے تھے۔ جگر صاحب اور فراق صاحب کو اعظم گڈھ لے کر گئے بڑا شاندار مشاعرہ ہوا۔

شعر و شاعری سے دلچسپی کا یہ سلسلہ ۴۷ء سے شروع ہوا ۶۲ء تک برقرار رہا اور پھر ان کی وابستگی کا ایک نیا رُخ سامنے آیا۔

—— مذہب —— ! جوان کی گھٹی میں تھا، وہ مذہبی آدمی تو نہیں کہے جا سکتے تھے مگر مذہب پرست ضرور تھے۔ ہر بے راہ روی اور انحراف سے کوسوں دور —— حضرت امام حسین علیہ السلام کے دیوانہ وار پرستار اور اس پر فخر کرنے والے —— !

چنانچہ محرم کی تقریبات کے علاوہ وطن مالوف بڑے گاؤں سے عماری کا جلوس اور الہ آباد میں جشن ولادت حضرت امام حسین کے موقع پر محفل توران کے بے پایاں مذہبی جذبے کی یادگاریں تھیں اور ہیں۔ مذہب سے وابستگی کی بنا پر ان کے دولتکدہ پر علماء، خطباء، واعظین کا اجتماع رہتا تھا۔ شاعری سے دلچسپی اب قصائد، سلام اور جدید مرثیوں کی طرف مڑ گئی تھی مذہب سے وابستگی ان کا خاندانی وصف تھی، لیکن اس میں پورے خانوادے کو متاثر کرنے کی حد تک اضافہ ان کی اپنی انفرادیت تھی۔

۱۷ اپریل ۸۴ء کو مجھے حیدرآباد میں اطلاع دی۔

"تمہیں یہ سن کر یقیناً بیحد مسرت ہوگی کہ کلام مجید چھپ گیا ہے اور جلد بندی میں ہے اس کلام پاک کو ہم جشن چہاردہ صد سالہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے موقع ۳ شعبان ۵ مئی ۸۴ء کو شائع کریں گے ...... آج کل دن رات اسی کلام پاک کے سلسلے میں لگا ہوا ہوں ..... تمہاری چھٹیاں کب سے ہو رہی ہیں۔ اگر ۵ مئی سے پہلے آسکو تو بہت اچھا ہو تاکہ اس جشن میں بہار آجائے ....."

مذہب سے شدید وابستگی علمی حیثیت بھی رکھتی تھی۔ جب تک اعضا ساتھ دیتے رہے نماز ترک نہیں کی اور عمل کی اس منزل یعنی عبادات کی طرف توجہ کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ مذہبی اخلاقیات کو نظر انداز کرتے رہے ہوں۔ حاجتمندوں کے دست سوال کو نہ پھیلنے دینا اور ان کی حاجت پوری کر دینا، لوگوں کے کام آنا، بیغبری وقت پڑنے پر ساتھ دینا اور بالخصوص اگر کسی دوست یا عزیز کی لڑکی کی شادی ہے تو ایسے مواقعے پر بھیا کے خلوص کے سارے دریچے کھل جاتے تھے اور وہ دامے درمے تو مدد کرتے ہی تھے انتظامات میں بھی بھرپور حصہ لیتے تھے۔

حتی الامکان وہ اپنے تمام فرائض کو بحسن و خوبی پورا کرنے کی کوشش کرتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ مذہب نام ہی فرائض کی ادائیگی کا۔ اس سلسلے کا سب سے اہم پہلو یہ

تھا کہ اگر انہیں کسی کو ایک روپیہ بھی دینا ہوتا تھا تو اس میں وہ اتنی عجلت کرتے تھے کہ جسے لینا ہوتا تھا وہ مبہوت ہو جاتا تھا۔ ان کا اصول تھا کہ مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اُجرت مل جانی چاہیئے اور یہ حقیقت ہے کہ ان کے اس وصف نے کاروباری سطح پر بھی انہیں دلعزیز اور محبوب بنا رکھا تھا۔

مذہب سے وابستگی نے انہیں جہاں اعلیٰ ترین اخلاقیات سے متصف کیا تھا وہاں یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کے پاس دور دور تک کسی طرح کے تعصب یا تنگ نظری کا گذر نہیں تھا اور ؏

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

پر وہ شدت سے عمل پیرا رہے۔ ان کا حلقۂ احباب غیر مسلموں میں بھی اتنا ہی وسیع تھا جتنا اپنے ہم عقیدہ لوگوں میں اور تیوہار کے موقعے پر انہوں نے کبھی اپنی جیب ٹٹولی نہیں۔ ہولی، دسہرہ اور دیوالی وغیرہ کے موقعے پر بھی وہ اسی فراخدلی کا مظاہرہ کرتے تھے جس کا نمونہ تقریبات میں نظر آتا تھا۔

انہیں طالب علموں سے ہمیشہ بے حد دلچسپی رہی۔ میرے سلسلے میں تو یقیناً انہی کی حوصلہ افزائی تھی کہ ایم۔ اے اور ڈی فل کر سکا۔ جب میں بی۔ اے کا امتحان دے رہا تھا اس وقت حالات کی بے رحمی کی وجہ سے پڑھنے میں دل نہیں لگتا تھا۔ زیادہ تر وقت ٹیوشن، گپ بازی یا نکہت کے کام میں صرف ہو جاتا تھا۔ بھیّا کو یہ معلوم تھا کہ اردو انگریزی فلسفہ میں پڑھ رہا ہوں لیکن اکنامکس مجھے نہیں آتی۔ وہ خود بھی انٹرمیڈیٹ میں اکنامکس کے طالب علم رہ چکے تھے اس لئے میرے مقصد کی کتابوں کی فراہمی ان کے لئے زیادہ مشکل نہیں تھی۔ چنانچہ کتابیں اکٹھا کر کے کمرے میں رکھدیں اور باہر سے تالا بند کر دیا۔ کھڑکی سے تنجانک کر بولے "بس پڑھتے رہو۔" احباب سے میرے بارے میں کہہ دیا گیا کہ نہیں مل سکتے وقت وقت سے تالا کھولا جاتا تھا اور میں پڑھتا کیا نہ کرتا کے مصداق مجبوراً سیکنڈ ڈویژن

میں پاس ہو گیا۔ بہت عرصے بعد ان کی خواہش تھی کہ ایم۔ اے کروں! میرا داخلہ ہوا۔ یونیورسٹی کی ساری سرگرمیاں جیسے بزم ادب' اور اس کے الیکشن' بیت بازی' تقریبات' ڈرامہ کا اسٹیج کیا جانا ان سب سے میں وابستہ رہا اور وہ بھی پوری دلچسپی لیتے رہے۔ ہر طرح سے حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ اسے اتفاق ہی کہنا چاہئے کہ ایم اے میں مجھے پوری فیکلٹی میں فرسٹ پوزیشن ملی تھی۔ بھیّا نے بہت زبردست جشن منایا تھا۔ تین روز تک مٹھائی تقسیم ہوتی رہی اور دعوت ہوتی رہی اور جو دو گولڈ میڈل ملے تھے اُس کی نمائش کی جاتی رہی۔

یہ دلچسپی صرف اسی رُخ تک نہیں تھی بلکہ وہ یادگار حسینی ہائی اسکول (اب انٹر کالج) کے مجلس منتظمہ کے بھی ممبر تھے۔ سی۔ ایم۔ پی ڈگری کالج میں میرے تقرر کے دو سال بعد تو انہیں وہاں مدعو کیا گیا تھا۔ انہوں نے طالب علموں کو ایک ہزار روپئے نقد درسی کتابوں کے لئے اور پانچ سو روپئے کی کتابیں جو ادبیات سے متعلق تھیں عطا کیں۔ بڑی خوبصورت تقریر کی اور چودھری نونہال سنگھ صدر کے پی ٹرسٹ' جے پی سریواستو پرنسپل کو اپنی تقریر سے اتنا متاثر کیا کہ ان لوگوں نے بھی ایک ایک ہزار روپئے لائبریری کے لئے دیا۔

۱۹۸۰ء میں میں کراچی میں تھا۔ تفصیلی خط میں لوگوں کا رزلٹ لکھا تھا۔ لکھتے ہیں:

"ریحانہ سلمہا انگریزی میں کمپارٹمنٹل میں آگئی ہے۔ بجو سلمہ کا رزلٹ ابھی نہیں آیا۔ اچھے سلمہٗ تھرڈ پاس ہوئے۔ رو رہے تھے۔ سمجھایا کہ آئندہ محنت کر کے اچھے نمبروں سے پاس ہونا۔ محمد کالڑ کا تھرڈ پاس ہو گیا سرور منظور بھائی کا لڑکا بھی تھرڈ آیا۔ اس بار کا رزلٹ %30 رہا۔"

یہ ان کی شخصیت کے بہت بہت چھوٹے چھوٹے نقوش ہیں جن سے ان کی شخصیت کی تعمیر اور تشکیل ہوئی تھی۔ وہ اچھے دوست مخلص ساتھی اور حوصلہ بڑھانے والے ہمت افزائی کرنے والے بزرگ تھے۔ میں جب حیدر آباد گیا تو انہوں نے لکھا:

"تمھارا خط ملا۔ پڑھ کر حالات سے آگاہی ہوئی۔ ظاہر ہے کہ وہاں کی تنہائی تمھارے لیے بے حد پریشان کن ہوگی۔ بہر حال اب تمھیں صبر و تحمل سے حالات کا مقابلہ کرنا ہے اور انشاءاللہ تم ترقی کی منزلوں پر گامزن رہوگے۔ ہم لوگوں کی دلی دعائیں بھی تمہارے ساتھ ہیں۔"

ایک ایک لفظ سے محبت ٹپک رہی ہے لیکن زیادہ اہم وہ کلمات ہیں وہ لہجہ ہے جو آدمی میں حالات سے مقابلہ کرنے کا جذبہ بیدار کرتا ہے۔

رشتوں میں انھوں نے ہمیشہ توازن برقرار رکھا۔ وہ سعادت مند بیٹے، چاہنے والے بھائی، بہت ہی شفیق باپ اور کنبہ پرور انسان تھے۔

شخصیت وحدت میں کثرت کا نمونہ ہوتی ہے۔ جس طرح ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہوتی ہیں ایک جیسی مگر ایک دوسرے سے مختلف، اسی طرح انسانی شخصیت میں بھی بہت سارے گوشے ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں مگر وہ سب مل کر شخصیت کو ابھارتے ہیں۔ عام حالات میں کسی کے بارے میں لکھتے ہوئے ان باتوں کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ شخصیت کی اکائی اور وحدت اسی کثرت سے بنتی ہے۔ مثلاً خوش ذوقی اور نفاست ایک صفت ہے جو مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ بھیّا میں بھی یہ خوش ذوقی تھی۔ جو کھانے میں دعوتوں میں آم کی قاشوں پر بالائی کی تہہ جمانے میں، لباس میں، مکان کی سجاوٹ اور آرائش میں، ہر جگہ یہ نفاست جلوہ گر تھی۔ ان کے مزاج میں اسی نفاست کے ساتھ حسِ مزاح بھی تھی۔ مجھے ان کی حقیقی بہن منسوب ہیں۔ ایک خط میں مجھے حیدرآباد لکھا:

"ہمشیرہ عزیزہ نے بہت زوردار دعوت ہم لوگوں کی کی اور اس جشن کے موقع پر ہم لوگوں نے کافی توڑ پھوڑ بھی کی۔ مینو (Menu) اس لیے نہیں لکھ رہا ہوں کہ تمھارے منہ میں بلا وجہ

پالی آجائے گا۔"

دوسری ستمبر ۷۴ء دوپہر میں پہلی بار انھیں قلبی دورہ پڑا۔ انکی قوتِ ارادی ان کی مذہبیت اور ہم سب کی دعائیں اُن کے ساتھ تھیں اور وہ بچ گئے۔ لیکن اس بیماری نے انھیں توڑ کر رکھ دیا۔ بظاہر یہ لگتا ہے کہ ان کی زندگی پھولوں کی سیج پر گذری۔ لیکن ایسا تھا نہیں۔ انہوں نے زندگی کی بہت ساری تلخیاں شربت کا گھونٹ سمجھ کر گوارا کیں۔ حالات سے لڑتے رہے۔ انھیں ایسے میں بھی مسکرانے کا فن آتا تھا جب ان کا دل روتا ہو۔ یہ سچ ہے کہ وہ انجمن میں رہے لیکن وہ تنہا ہوتے گئے۔ ۸۰ء میں اسرار کی موت سے بیحد متاثر ہوئے اور لالۂ صحرا کی طرح خود کو تنہا محسوس کرنے لگے۔

وہ انسان تھے، یقیناً ان میں خامیاں بھی رہی ہوں گی لیکن ان کی شخصیت کا جادو، اور حسین طلسم، ان کی بے پایاں محبت اور سب کے لئے خلوص ایسے اوصاف تھے کہ ان کی خامیوں پر نظر ہی نہ جا سکتی تھی۔ ان کا مسلک و مشرب صرف محبت تھا اپنی بیماری کے زمانے میں ایک خط میں مجھے لکھا:

"میری یہ دلی تمنا ہے کہ زندگی کے اس آخری دور میں میرے عزیز اور دوست مجھ سے ذرا بھی کبیدہ خاطر نہ ہوں ——!"

بے اختیار دل چاہتا ہے کہ ان سے کہوں "بھیا —— ! کل ہم سب تو آپ کی محبت و شفقت کے سہارے زندگی کے سفر طے کر رہے تھے —— آج بظاہر آپ نہیں ہیں مگر آپ کی یادوں کے چراغ زندگی کی تاریک راہوں میں روشن ہیں۔ یہی یادیں ہمارا اثاثہ بھی ہیں اور سرمایہ بھی اور عزم و حوصلہ بھی —— اور شاید اسی احساس نے اب تک زندہ رکھا ہے۔

زندگی جن کے تصوّر سے جِلا پاتی تھی
ہائے کیا لوگ تھے جو دامِ اجل میں آئے